جو ذاتِ اقدس میں معجزنما طور پر جلوہ گر تھے ایک ایسا معجزہ عطا فرمایا جو حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضیٰ سے زیادہ آنکھوں کو خیرہ کرنے والا۔ قلوب کو متحیّر کرنے والا اور عقول کو ہیجان میں ڈالنے والا تھا یہی نہیں بلکہ آنکھوں کو ٹھنڈک دلوں میں سرور اور قلوب میں تسکین پیدا کرنے والا تھا۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ه

یہ معجزۂ ناطق قرآن پاک ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا۔ اس کتاب مجید کو دربارِ احدیت سے کیا کیا اعجاز بخشے گئے اور کن کن خوبیوں سے اس کو زینت دی گئی۔

قرآن کی یہ آیتِ کریمہ اُن کی توضیح کیلئے کافی ہے۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ه

کیا ان کے لئے یہ بس نہیں ہے ہم نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی جو اُن پر پڑھی جاتی ہے

اس آیت کے معنی حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے واضح ہو جاتے ہیں۔

عن ابی هريرة قال قال النبی صلی الله عليه وسلم ما من الانبياء نبی الا اعطی ما مثله آمن عليه البشر وانما كان الذی اوتيت وحيا اوحاه الله الی وارجو ان اكثرهم تابعا يوم القيامة۔

(بخاری جلد دوم صـ ۷۵۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کو ایک ایسی چیز دی گئی کہ جس کو دیکھ کر ایمان لائیں اور مجھ کو جو چیز عطا کی گئی وہ وحی (قرآن مجید) ہے جسکو خدا نے مجھ تک بھیجا ہے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین دوسرے انبیاء کے متبعین سے تعداد میں زیادہ ہوں گے۔

علماء محدثین اس حدیث کی تشریح دو طریقہ پر کرتے ہیں۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ انبیاء سابقین کے معجزات اُن کے عہد کے ساتھ مخصوص تھے۔ اِن معجزات کو انہیں لوگوں نے

دیکھا جو اس وقت موجود تھے لیکن قرآن ایسا معجزہ ہے جو تا قیامت شاہد عالم بن کر باقی رہیگا اور دنیا اس کے اعجاز کا کرشمہ ہمیشہ دیکھتی رہیگی اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ ان انبیا کو اکثر حسّی معجزات عطا فرمائے گئے تھے مثلاً عصاء موسیٰ۔ ناقۂ صالح۔ جو معدوم ہو گئے لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو عقلی معجزہ عطا فرمایا گیا تاکہ ہمیشہ باقی رہے اور اس کا فیض جاری رہے حافظ ابن حجر نے ان دونوں مطالب کی تصدیق[1] کی ہے۔

علم اعجاز القرآن تفسیر کیلئے اُس علم سے واقفیت رکھنی ایک ضروری امر ہے مفسّرین میں سے مولیٰ ابو الخیر نے اِن کو فروع علم تفسیر میں شمار کیا ہے بلا شبہ اس علم کے بغیر تفسیر قرآن میں بڑی دقتیں پیدا ہوتی ہیں بہت سی چیزیں مختصات قرآن میں سے ہیں جن کو اعجاز قرآن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اگر ان سے کما حقہٗ واقف نہ ہو تو تفسیر میں غلطیوں کا اندیشہ رہتا ہے اسی اہمیت کو پیش نظر رکھ کر علماء متقدمین نے اس علم پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ اس علم کی مشہور کتابوں میں ابو عبد اللہ محمد بن زید الواسطی المتوفی ۳۰۶ھ کی اعجاز القرآن ہے۔ جس کی شرح شیخ عبد القاہر جرجانی المتوفی ۴۷۱ھ نے بسط و تفصیل سے کی ہے۔

اعجاز قرآن کی بہت سی جہتیں ہیں۔ علماء اسلام نے ہر جہت پر تفصیلی بحثیں کی ہیں امام فخر الدین رازی اور امام احمد بن محمد الخطابی کی اعجاز القرآن بھی معروف اور مشہور رہے یہاں صرف اس علم کی تشریح و توضیح کے لئے مختصر بحث کرنا مقصود ہے۔

اعجاز لفظی اور معنوی۔ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن لفظی اور معنوی خوبیوں سے اس قدر مرصّع اور مزیّن ہے کہ دنیا کا کوئی کلام اس کے مقابلہ میں نہیں پیش کیا جا سکتا اسکی

[1] خصائص کبریٰ جلد اوّل۔

فصاحت اور بلاغت۔ ایجاز اور اطناب۔ اسالیب اور بدائع سلاست۔ اور شستگی اور اس کے
اعلیٰ اصول اور قوانین۔ دلچسپ مضامین اور مطالب حیرت انگیز قصص اور حکایات دلاویز امثلہ
اور تشبیہات کی کوئی نظیر نہیں ہو سکتی۔

جس خطہ میں قرآن پاک نازل ہوا وہ اپنے خصوصیات کے لحاظ سے معروف اور مشہور
تھا اس ملک کی زبان اس وقت بھی دنیا کی زبانوں میں اعلیٰ اور ارفع تسلیم کی جاتی تھی ایک زندہ
زبان میں جس قدر خوبیاں ہو سکتی ہیں وہ ان میں موجود تھیں شعرا اور خطبا، فصحا اور بلغا کی ان
میں شرکت تھی بلکہ اس قوم کا ہر فرد زباندانی میں اپنے کو امراء القیس سے کم تر نہیں سمجھتا تھا اسلئے
قرآن نے سب سے پہلے فصحا اور بلغاء عرب کو فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ کی دعوت
مبارزت دی۔ ادباء عرب نے مجتمعہ قوت کے ساتھ اس مبارزت کے جواب میں پوری جدوجہد کی
اور اس کے ہم مثل کلام پیش کرنے کیلئے ساری قوت صرف کر ڈالی۔ لیکن کیا ہوا شاعر ہو یا ادیب
راجز ہو یا خطیب جس نے بھی قرآن کی چند آیتیں سن لیں ہمہ تن محو حیرت اور سراپا محو تماشا
بن گیا۔ ولید بن مغیرہ کو جب دولت اور ثروت کی طمع دلائی گئی اور اس کو قرآن جیسا کلام پیش
کرنے پر مجبور کیا گیا۔ تو اُس نے عاجز ہو کر حقانیت کی آواز یوں بلند کی۔

"اور تم نے اس کو یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساحر کہا واللہ وہ ہرگز ساحر نہیں ہے میں
نے سحر اور اس کا جھاڑ پھونک دیکھا ہے تم نے اس کو شاعر کہا ہے خدا کی قسم وہ شاعر نہیں
ہے میں شعر کے ہر صنف کا ماہر ہوں تم اس کو مجنون کہتے ہو خدا کی قسم وہ مجنون نہیں ہے
میں نے جنون اور اس کے کیفیات کو بھی دیکھا ہے۔ اے قریش اپنی حالت پر غور کرو واللہ
یہ کوئی امر عظیم ہے جو تمہارے لئے نازل کیا گیا" ادباء عرب جو اپنی زباندانی کے نشہ میں سرشار
رہا کرتے تھے۔ جب اس مبارزت میں شکست کھا گئے تو قرآن نہ صرف اُن کے عجز کا بلکہ ساری دنیا کے

عجز کا اعلان عام کر دیا۔

وَلَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ‎ؕ‎ — اگر تمام انس و جن اس قرآن کے مثل لانے کے لئے ایکا کریں تو بھی اس کے جیسا کلام نہیں لا سکتے۔ اگرچہ بعض بعض کے معاون اور مددگار ہوں۔

کلامِ الٰہی کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ وہ قلوب کو بہت جلد اپنی طرف جذب کرتا ہے سامعین کے دلوں میں الفت و محبت۔ ایمان و اخلاص۔ صداقت اور راست بازی کے اوصاف پیدا کر دیتا ہے انسان تو انسان جنات تک اس کلامِ ربانی کو سُنکر انگشت بدندان نظر آتے ہیں

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ‎ؕ‎ — ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا جو ہدایت کی طرف لے جاتا ہے پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور کبھی ہم کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے

قرآن کے اسی اعجاز کی بناء پر مشرکین اور کفار کو اسلام میں پناہ دینے کی حد اس وقت تک متعین کی گئی ہے جب تک کہ وہ اس کلام کو نہ سُن لیں گویا اس کا سنانا فرائض تبلیغ میں سے ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ — اگر مشرکین میں سے کوئی تجھ سے پناہ چاہے تو تم اس وقت تک پناہ دو جب تک کہ کلام اللہ سنے

اس اعجازِ قرآنی سے مشرکینِ عرب بہت زیادہ خائف تھے۔ اس لئے وہ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکتے تھے اور اس کلام کے سننے سے باز رکھتے تھے۔

چنانچہ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ — یا وہ لوگ ان اصحاب کے مانند ہیں جو

رعدٌ وَبَرقٌ یَجعَلُونَ اَصَابِعَھُم | جو آسمان کی بارش میں کھڑے ہوئے ہیں جس میں
فِی اٰذَانِھِم مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ | ظلمت۔ رعد اور برق ہے۔ وہ اپنی انگلیوں کو
الموتِ وَاللّٰہُ مُحِیطٌ بِالکَافِرِینَ | اپنے کانوں میں کڑک کی وجہ سے موت سے
یَکَادُ البَرقُ یَخطَفُ | ڈر کر ڈالتے ہیں اور اللہ کفار کو گھیرے ہوئے ہے
اَبصَارَھُم کُلَّمَا اَضَاءَ | قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھوں کو اچک
لَھُم مَشَوا فِیہِ وَاِذَا اَظلَمَ | لے جب روشنی ہوتی ہے تو وہ چلتے ہیں
عَلَیھِم قَامُوا۔ | اور جب تاریکی ہوتی ہے تو وہ کھڑے

یہ مثل خدا نے قرآن کی پیش کی ہے۔ بارش دراصل قرآن ہے کیونکہ وہ روح کو حیات بخشنے والا ہے جس طرح بارش جسم کو حیات بخشتی ہے اور ظلمات دراصل کفر اور شرک ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہے اور رعد جن چیزوں سے کفار قرآن میں ڈرائے گئے ہیں مثل نار جہنم وغیرہ اور برق آیت اور جنت ہے جن کا ذکر قرآن میں بکثرت ہے پس کفار اپنے کان کو قرأت قرآن کے وقت اس ڈر سے بند کر لیتے ہیں کہ ان کا دل اس طرف مائل نہ ہو جائے کیونکہ ایمان ان کے نزدیک کفر ہے۔

اس تفسیر کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔

طفیل بن عمرو دوسی ایک مشہور شاعر اور عقلمند آدمی تھا وہ جب مکہ میں پہنچا تو قریش کے لوگ اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم یہاں آئے ہو یہ شخص جو ہمارے سامنے ہے اس نے ہم کو مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہماری جماعتوں میں تفریق پیدا کر دی ہے اور ہمارے معاملات کو منتشر اور پراگندہ کر دیا ہے اس کا کلام بالکل جادو ہے جو باپ بیٹے بھائی اور زن و شوہر میں جدا کر دیتا ہے ہم کو ڈر ہے کہ تم پر اور تمہاری قوم پر بھی یہ جادو نہ چل جائے اب تم آ گئے ہو تو اس سے گفتگو نہ کرو اور اس کا کلام نہ سنو طفیل کا بیان ہے کہ انھوں نے ہم کو اس قدر مجبور کر دیا کہ میں بھی

اس کے لئے تیار ہو گیا کہ نہ تو میں ان کا کلام سنونگا اور نہ ان سے باتیں کروں گا۔ چنانچہ جب میں صبح کے وقت مسجد (کعبہ) سے گذرنے لگا تو میں نے اپنے کان میں کپڑا ٹھوس لیا تاکہ ان کی آواز میرے کان تک نہ پہنچ سکے لیکن خدا کو یہ کلام سنانا منظور تھا مسجد سے جب میں گذر رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے تھوڑی دیر میں وہاں ٹھہر گیا تو ایک نہایت بہتر کلام سننے میں آیا۔ فوراً میں اپنے کو برا بھلا کہنے لگا کہ میں تو ایک عقلمند آدمی اور شاعر بھی ہوں۔ سحر کو زیادہ جان سکتا ہوں مجھ کو آپ کلام کے سننے سے کیا چیز مانع ہے اگر یہ کلام اچھا ہوگا تو اس کو قبول کرلوں گا اور اگر خراب ہوگا تو درگذر کروں گا۔ تھوڑی دیر میں وہاں ٹھہرا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان واپس تشریف لے گئے تو میں بھی اُن کے پیچھے پیچھے پہنچا۔ اور جب ملاقات ہوئی تو میں نے اپنا پورا قصہ عرض کر دیا کہ قریش نے اس طرح مجھ کو منع کیا اور اتنا ڈرایا کہ میں نے اپنے کان میں کپڑا ٹھوس لیا تاکہ آپ کا کلام نہ سن سکوں۔ لیکن خدا کی مرضی یہی تھی کہ میں اسکو سنکر رہوں۔ اس لئے کچھ میرے کان تک پہنچے۔ آپ کے پاس جو کچھ ہے وہ میرے سامنے پیش فرمائیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر مذہب اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ خدا کی قسم میں نے اس سے بہتر کبھی کوئی کلام نہیں سنا اور نہ اس سے اچھا امر پایا۔ فوراً میں مشرف باسلام ہوا اور حق کی شہادت دی جب میں اپنے قبیلہ میں پہنچا تو میرے والد میرے پاس آئے جو ایک ضعیف العمر آدمی تھے میں نے ان سے کہا کہ اے باپ اب آپ مجھ سے جدا ہو جائیے نہ میں آپ میں ہوں اور نہ آپ مجھ میں ہیں۔ انھوں نے پوچھا کیوں بیٹے ایسا کیوں ہوگا۔ میں نے کہا کہ میں اسلام لے آیا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اتباع کرتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اے بیٹے جو تیرا دین ہوگا وہی میرا دین ہے

میں نے کہا کہ آپ غسل کر کے صاف اور ستھرے کپڑے پہن کر آئیے تاکہ میں نے جو کچھ سیکھا وہ آپ کو بتادوں جب وہ غسل کر کے اور کپڑے بدل کر میرے پاس آئے تو میں نے مذہب اسلام پیش کیا اور وہ اسلام لائے اسی طرح میں نے اپنی بیوی سے بھی یہی کہا۔ چنانچہ وہ بھی مشرف باسلام ہوئی

قرآن کا سب سے بڑا اعجاز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشرف باسلام ہونا ہے کون عمرؓ جن کو قوم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کیلئے مقرر کیا تھا جو اسلام کے مٹانے میں شمشیر بکف تھے جو مسلم کی ایذا رسانی میں پیش پیش تھے جب قرآن کی آواز ان کے کانوں تک پہنچتی ہے تو وہ بے چین ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہہ کیا چیز ہے مجھے بھی دکھاؤ۔ دیکھتے ہی یہ بول اٹھتے ہیں ما احسن ہذا الکلام واکرمہ۔ کس قدر یہ بہتر اور محترم کلام ہے اب نہ وہ غصہ ہے نہ عداوت نہ کینہ ہے نہ شقاوت بلکہ عمرؓ کا دل ایمان و اخلاص الفت و صداقت سے لبریز نظر آتا ہے۔ قرآن مجید کی عظمت اور فضیلت کیلئے صرف یہی ایک تاریخی واقعہ کافی ہے۔ لیکن قرآن کا یہ اعجاز حضرت عمرؓ ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ اصحاب محمد رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بہت سی ایسی پاک اور مقدس ہستیاں ملیں گی جن کو صرف قرآن کے اعجاز ہی نے دائرۂ اسلام میں داخل کیا ہے۔ عقبہ اولی اور ثانیہ میں جو لوگ مشرف باسلام ہوئے وہ قرآن ہی کا ایک ادنی کرشمہ تھا جس نے اُن کے دلوں کو مسخر کر لیا۔ (ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ)

اعجاز لحنی۔ قرآن کو جہاں الفاظ اور معانی کے لحاظ سے معجز بنایا گیا وہاں اسکا ایک خاص طریقہ اور مخصوص لحن متعین کیا گیا جس سے بلاشبہ اس کے اصناف اعجاز میں ایک خاص صنعت کا اضافہ ہو گیا۔ یعنی یہ کہ قرآن کی تلاوت اس طرح کیجائے کہ دوسروں کو اس سے رغبت اور الفت پیدا ہو۔ قلوب میں سرور و انبساط حزن و ملال۔ خوف و خطر کے ملے جلے کیفیات طاری

ہوسکیں غرض کہ جو کیفیات حسن صوت اور خوبی لحن سے پیدا ہوتے ہیں وہ ایک سامع قرآن پر بھی طاری ہوں چنانچہ مختصات نبوی میں تغنی بالقرآن کو بھی داخل کیا گیا۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَۃَ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا اَذِنَ اللّٰہُ بِاِذْنِہٖ لِلنَّبِیِّ حُسْنُ الصَّوْتِ تَتَغَنّٰی بِالْقُرْاٰنِ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خدا کسی چیز کی اجازت نہیں عطا فرماتا لیکن خوش آواز نبی کیلئے یہ کہ وہ قرآن کو اچھی طرح پڑھے۔

رواۃ حدیث میں بعض نے تغنی کی تفسیر بجہر بہٖ (زور سے پڑھنے) کے لفظ کے ساتھ کی ہے اور بعض نے یستغنی (بے نیاز ہونے) کے ساتھ لی ہے اس بناء پر اس معنی میں ائمہ محدثین اور فقہاء میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے بعض نے تحسین صوت اور بعض نے تحزن اور بعض نے مشغل بالقرآن کے معنی مراد لیا ہے اور بعض نے تلاد اور استغلال کے معنی کی تعین کی ہے اس اختلاف کی اصلی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ تغنی کے لغوی معنی سے علماء متقدمین کو اجتناب ہے کیونکہ غناء کے لوازمات سے بعض ایسی چیزوں کو تسلیم کرنا پڑیگا جو قرآن ایسی محترم کتاب کے شایان شان نہیں ہے لیکن اگر اس لفظ کے لغوی اور شرعی دونوں معنی اسی طرح فرض کئے جائیں جس طرح صلواۃ اور اسلام کے لغوی اور شرعی دونوں معنوں میں فرق کیا گیا ہے تو اس اختلاف میں اتفاق کی ایک صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ محدثین نے اگرچہ اس فرق سے بحث نہیں کی ہے۔ لیکن اُن کے متعدد اقوال سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ تغنی کو اپنے اصلی معنی سے ہٹا کر ایک خاص معنی کی طرف لیجانا چاہتے ہیں جس میں لغوی معنی کی تھوڑی بہت جھلک بھی پائی جاتی ہے تحسین صوت اور شغل تو لوازمات تغنی میں سے ہیں اور تحزن اور تلذذ اس کے اثرات میں سے ہے اس اعتبار سے اگر اس کے دو معنی فرض

سُنے جائیں تو کوئی نئی چیز نہ ہوگی بلکہ متقدمین کے مافی الذہن کی توضیح ہوگی۔ تغنی کے لغوی معنی ترنم یعنی گانے کے ہیں اسی وجہ سے مطرب کو مغنی بھی کہتے ہیں لیکن گانا قرآن کیلئے کسی طرح جائز قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس کے معنی تحسین صوت کے متعین کئے گئے۔ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں لفظ تغنی کی تفسیر جہر سے کی ہے۔ دیگر مشہور شارحین حدیث نے اس کے معنی تحسین صوت کے متعین کئے ہیں۔ ان کے اس قول کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

عن ابی لبابۃ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لیس منا من لم یتغن بالقراٰن قال فقلت لابن ابی ملیکۃ یا ابا محمد ارایت ان لم یکن حسن الصوت قال ما استطاع۔	ابو لبابہ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلعم سے سُنا کہ جو تغنی کے ساتھ قرآن نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے میں نے ابن ابی ملیکہ سے کہا کہ اے ابو محمد اگر قاری خوش آواز نہ ہو تو کیا حکم ہے تو انہوں نے کہا کہ حسب استطاعت اس کو اچھی طرح پڑھے۔

اس معنی کی تعین اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

عن البراء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینوا القراٰن باصواتکم	حضرت براء سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کو آواز سے زینت دو۔

قرآن مجید کی تلاوت میں تحسین اور تزئین صوت کس نوعیت کی ہونی چاہیے اس کا خود سنن راشدہ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل شاہد ہے جس سے تغنی بالقرآن کی صحیح حد متعین کیجا سکتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت اور طریقہ تلاوت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ پسند تھی۔ اکثر آپ ان کو قرآن سنانے کا حکم دیا کرتے تھے اور ان کی قرأت سے بہت زیادہ متاثر ہوتے تھے جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال	حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ
قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے
اقرأ علیّ قلت یا رسول اللہ	سامنے قرآن پڑھو میں نے عرض کیا کہ یا
اقرأ علیک وعلیک انزل	رسول اللہ آپ پر قرآن نازل ہوا اور میں
قال نعم فقرأت سورۃ النساء	آپ کے سامنے قرآن پڑھوں۔ آپ نے فرمایا
حتی اتیت الی ھذہ الاٰیۃ	ہاں پڑھو۔ میں نے سورۃ النساء پڑھنی شروع
فکیف اذا جئنا من کل امۃ	کی جب میں اس آیت پر پہنچا (فکیف اذا
بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء	جئنا من کل امۃ بشھید الاٰیۃ)
شھیدا قال حسبک الاٰن	تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت بس کرو میں نے
فالتفت الیہ فاذا عیناہ	آپ کو دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو
تذرفان۔	جاری تھے۔

رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا تاسف ہونا اگرچہ آیات کے لحاظ سے تھا لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود کا طریقہ تلاوت بھی اس قدر اچھا تھا کہ جس کا فطرتی طور پر انسان کے قلب پر اثر پڑتا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قرأت کی اس طرح

عن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ	حضرت عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
علیہ وسلم قال من احب ان یقرأ	کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو قرآن کو تازہ

ان القراء غضا کما انزل فلیقرأہ علی قرأۃ ابن ام عبد (بخاری جلد دوم)

تازہ پڑھنا چاہتا ہے جس طرح نازل ہوا تو وہ ابن ام عبد کی قرأت پر پڑھے۔

ایک دفعہ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی قرأت کی تعریف اس طرح فرمائی۔

عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ یا ابا موسیٰ لقد اوتیت من مزامیر آل داؤد (بخاری)

حضرت ابو موسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے آپ نے فرمایا کہ اے ابو موسیٰ تم کو آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک حصہ ملا ہے

یہاں پر مزمار کی معنی صوت حسن کے ہیں۔

تحسین صوت کی تخصیص سے قرآن کا ایک اور نوعیت سے معجزہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزات میں لحن داؤدی شہرۂ آفاق ہے جس پر حضرت ابو موسیٰ کی یہ حدیث بھی دال ہے اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام زبور کی تلاوت بڑی خوش الحانی سے فرماتے تھے خدا نے ان کے اس معجزہ اور سنت کو زندہ رکھنا چاہا اس لئے قرآن کیلئے تحسین صوت کی تخصیص کی گئی۔ تاکہ یہ ہر حیثیت سے انبیاء سابقین کے معجزات پر حاوی ہو سکے جیسا کہ یہ آیت اس معنی پر شاہد ہے

(اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتٰب یتلیٰ علیھم)

فطرت انسانی میں جہاں قدرت نے بہت سے اوصاف اور کمالات کو ودیعت فرمایا ہے وہاں ایک وصف یہ بھی ہے کہ انسان بالطبع فصیح اور بلیغ موزوں اور مرتب کلام بولنے اور سننے سے محظوظ ہوتا ہے کلام کی موزونیت اور ترتیب اس کے دل پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر ملک اور خطہ کے لوگ خواہ وہ جس قسم کی زبان بولتے ہوں اپنے دلی خیالات اور جذبات کو موزوں مقفیٰ اور مسجع عبارتوں میں ظاہر کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ خود وہ اور سامعین اسکی لطافت سے بیحد مسرور ہوتے ہیں۔ انسان کی یہ فطرت آفرینش آدم سے لیکر اب تک مختلف کیفیات

اور حالات میں تبدل اور تغیر جاری رہی ہے کبھی یہ نثر کی شکل اختیار کرتی اور کبھی نظم۔ کبھی رجز میں رونما ہوتی ہے اور کبھی ترنم میں۔ کبھی خطابت کے میدان میں جھلکتی ہے اور کبھی شعر اور شاعری کے بازار کبھی امثلہ اور تشبیہ میں نمودار ہوتی ہے اور کبھی گیت [illegible] میں غرض کہ اس کے مختلف حالات اور کیفیات ہیں جو انسان کے ہر طبقے میں یکساں طور پر موجود ہیں۔ علوم ادبیات کی تدوین۔ علم عروض و قوافی۔ اور شعر شاعری۔ انشا پردازی۔ اور افسانہ گوئی کا رواج یہ سب اسی فطرت کے نتائج ہیں۔ انسان جوں جوں علمی اور تمدنی ترقی کرتا گیا اس کی یہ فطرت بھی بڑھتی گئی۔ چنانچہ ہر قوم نے اس خاص ذوق کے لحاظ سے اور اپنی زبان کی خصوصیات کے اعتبار سے تحسین اور تزئین کلام ترتیب اور نظم عبارت کے چند قواعد اور قوانین مرتب کئے یونانیوں نے اوزان مستنبط کئے عربوں نے عروض اور قوافی کی ترتیب دی۔ ہندیوں نے راگنیاں قائم کیں حتیٰ کہ جنگلی اور وحشی قوموں نے بھی اس جذبۂ انسانی کے اثر سے اپنے خیالات اور جذبات کے اظہار کے خاص طریقے رائج کئے۔ بادیہ عرب کے حدی خوان اس کی بیّن مثال ہیں نزول قرآن کی اہم غرض و غایت چونکہ انسان کی تبلیغ اور ہدایت تھی اسلئے خدا نے انسانی طبائع کا لحاظ فرماتے ہوئے انہیں صفات اور خوبیوں سے اپنے کلام کو مزین کیا جن کی طرف انسانی فطرت متوجہ ہو سکے چنانچہ اس خاص فطرت کا قرآن میں بہت بڑا لحاظ کیا گیا۔ اس کی عبارت میں موزونیت آیات میں تناسب۔ فواصل میں توافق کلمات اور جملوں میں ایک خاص نظم اور ترتیب رکھی گئی جس کی بنا پر قرآن کو احسن الکلام کا رتبہ ملا۔

قرآن نے صرف اس ذوق مسلمہ کو پیش نظر رکھا جو عام طور پر جو ہر طبقۂ انسانی میں پایا جاتا ہے اسلئے اقوام اور ممالک کے ان اختلافات کو جو طبعی طور پر اس ذوق میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ نظر انداز کر دیا۔ قرآن کا یہ بہت بڑا اعجاز ہے کہ اس نے انسانی طبائع کو ملحوظ رکھ کر بھی اپنے کلام

اور طرز بیان کو انسانی اصناف کلام سے بالکل ممتاز رکھا حتی کہ احادیث نبوی جن کو شرح قرآن ہونیکا رتبہ حاصل ہے اس کلام کے مماثل نہ ہوسکے۔ قرآن نے خود اپنے کلام کو انسانی اصناف کلام سے بالکل مبرا ہونیکا اعلان اس طرح کیا ہے۔ ما ہو بقول شاعر قلیلا ما تؤمنون ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون شعر و شاعری۔ سجع اور قافیہ کے قیود سے اپنے کو آزاد کرکے یہ وہی اثر پیدا کرتا ہے جو کہ اعلی سے اعلی کلام میں پیدا ہوسکتا ہے۔ اگر یہ خوبی اس کلام میں پوشیدہ نہ رکھی جاتی تو شعرا اپنے کلام کے مثل بنانے کے مدعی ہوتے اور اپنی اشعار کے مماثل سمجھتے۔ کاہنین اپنے کلام کو نظیر میں پیش کرتے لیکن یہاں تو فاتوا بسورۃ من مثلہ کی دعوت مبارزت دی گئی تھی اس لئے قرآن کو اس تشابہ سے الگ رکھنا ایک ضروری امر تھا۔ چنانچہ قرآن کے آیات کی ترتیب

فواصل کی قید۔ ان تمام چیزوں میں ایک خاص اعجاز رکھا گیا تو قرآن کی بعض سورتوں میں آیات کا توافق ایک ہی حرف پر ہے جیسے میم سورۂ قتال میں اور نون سورۂ رحمن میں اور بعض سورتوں میں حرف روی یعنی جس پر قافیہ کا دار و مدار ہوتا ہے مختلف ہے۔ ایک جگہ کریما دوسری جگہ حدیثا اور تیسری جگہ بصیرا جیسے اوائل سورۂ کہف میں عِوَجا۔ حَسَنا وَلَدا۔ کَذِبا۔ وغیرہ ہیں اور وسط میں حرف روی جیسے صبرا۔ خبرا۔ امرا۔ اور یہ حرف روی میں اختلاف ہوگیا ہے جیسے سدا۔ یرحما۔ قطرا۔ بعض جگہ فواصل آیات میں ایک ہی حرف کا التزام کیا گیا ہے جیسے اَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ اسمیں حرف ہاء کا راء سے قبل التزام ہے اور بعض جگہ دو حرفوں کا التزام کیا گیا ہے جیسے وَالطُّوْرِ وَکِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ۔ بعض جگہ میں حرفوں کا التزام ہے جیسے اِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ۔ بعض جگہ ایک ہی جملہ کو بار بار دہرایا گیا۔ جیسے سورۂ شعرا وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۔ سورۂ قمر فَكَيْفَ كَانَ

عَذَابِیْ وَنُذُرِ اور سورہ رحمٰن فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰانِ وغیرہ ہیں بعض جگہ فواصل میں تبدیلی پیدا کردی گئی ہے اول میں کچھ ہے آخر میں کچھ ہے جیسے اوائل سورہ مریم میں زکریا۔ خَفِیًّا اور شَقِیًّا ہے اور آخر میں اِدًّا۔ ھَدًّا۔ اور فَرْدًا ہے بعض آیات کے آخر میں اگر حروف قوافی کی صلاحیت نہیں رکھتے تو وہاں پر جملہ تنبیہ یا الاء الیہ کا ذکر کردیا گیا جس سے کلام میں خاص خوبی پیدا ہوگئی ہے جیسے ھو الحکیم الخبیر۔ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا بعض جگہ الفاظ میں محض تحسین کیلئے زیادتی پیدا کردی گئی ہے۔ اِلْیَاسِیْنَ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ کہ جو دراصل الیاس اور طور سینا تھے بعض جگہ پر طویل جملہ کو ایک چھوٹے جملے کیساتھ موزوں کردیا ہے اور کہیں پہلے فقرے کو دوسرے فقروں سے چھوٹا رکھا۔ جیسے خُذُوْہُ فَغُلُّوْہُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَۃٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْہُ ان اختلافات اور تغیرات سے جو خوبی کلام میں پیدا ہوگئی ہے وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی معنوی خوبیاں بھی ہیں۔ جن سے انسان کو کلام کی فضلیت اور برتری کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ مثلاً آیات میں ترتیب معنوی رکھی گئی اور اسی طرح الفاظ میں ایک خاص مناسبت رکھی گئی جس سے ارباب ذوق ہی متمتع ہوسکتے ہیں جیسے سورہ قصص کی ابتداء میں فَلَنْ اَکُوْنَ ظَھِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ سے ابتداء ہے اور آنحضرت صلعم کے واقعہ میں اَنْ لَّا تَکُوْنَنَّ ظَھِیْرًا لِّلْکٰفِرِیْنَ سے شروع ہے اسی طرح سورہ بقر کی ابتداء میں کتب آسمانی اور رسل پر ایمان لانیکا بیان ہے۔ اور آخر سورہ میں بھی اسی سے بحث ہے شروع میں وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ کی آیت ہے اور آخر میں اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ اسی طرح سورہ آل عمران کے شروع میں رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کی دعا۔ (رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ) کا ذکر ہے

اور پھر قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا سے غزوۂ بدر کا ذکر ہے بعینہٖ اسی طرح سورہ کے آخر میں ذاکرین اور تفکرین خلقتِ الٰہی کی دعا ان الفاظ میں ہے (رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ) شروع میں دعا کے اندر (رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ) بھی قیامت کا ذکر موجود ہے شروع کی دعا میں قبولیت دعا کا ذکر نہیں ہے۔ آخر میں فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ فرما کر دعا کی مقبولیت کا اعلان ہے اس تطابق کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ راسخین اور ذاکرین دونوں کی دعائیں ایک ہی مطلب کی تھیں اسلئے آخر میں اسکی قبولیت کا ذکر کافی سمجھا گیا شروع میں چونکہ غزوۂ بدر کا قصہ ہے اس لئے آخر میں جہاد ہجرت اور فی سبیل اللہ کا ذکر احکام ان الفاظ میں کیا گیا فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ غرضیکہ قرآن مجید کو جس پہلو سے دیکھا جائے اس میں ایک اعجاز اور خاص خوبی نظر آئیگی۔

زپائے تا بسرش ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا ست

انا سید ہاشم ندوی